Fikr-o-Nasar (Islamabad) 20:8 (1983)

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں تقسیم دولت کا نظام

محمد یوسف گورایہ

زر اور زمین دنیا میں قدیم ترین ذرائع روزگار ہیں۔ ان کی منصفانہ تقسیم پر معاشرت میں اعتدال و توازن پیدا ہوتا ہے اور ان میں بے انصافی سے ملک و معاشرے میں ظلم و عدوان بڑھتا ہے۔ اسلام دنیا میں پہلا اور واحد نظام حیات ہے جس نے زر اور زمین کے معاملے میں عدل و احسان کو اپنایا اور ظلم و عدوان سے انسانیت کو نجات کی راہ دکھائی۔

عہد رسالت میں انفاق، صدقات، خیرات اور زکوٰۃ کے تحت ذرائع و وسائل معاش کی تقسیم کا نہایت منصفانہ نظام قائم ہوا۔ مسلمانوں میں سے صاحب ثروت لوگ اپنے غریب اور نادار بھائیوں کی مدد کے لئے خود بخود اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے تھے اور اس کے عوض اللہ کی رضا کے سوا کچھ نہیں چاہتے تھے:

ومثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ۔	اور ان لوگوں کی مثال جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی رضا چاہنے کے لئے۔

مالدار اور آزاد مسلمان مفلوک الحال اور غلام مسلمانوں کی بہتری اور آزادی پر اپنی کمائی میں سے خرچ کر کے اسلامی معاشرت کو پروان چڑھاتے رہتے تھے۔

ہجرت کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی تعلیمات کو پوری آزادی کے ساتھ نظام حکومت کی شکل دینی شروع کی۔ انفاق فی سبیل اللہ اور صدقات وخیرات کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام معاش کا نقشہ واضح طور پہ ابھر کر سامنے آنے لگا۔ زراعت، صنعت اور تجارت کے مروجہ نظاموں میں جہاں جہاں اسلامی تعلیمات کے ساتھ تصادم پایا جاتا تھا اسے ختم کیا جانے لگا اور اس کی جگہ ایک عادلانہ نظام قائم ہونا شروع ہوا۔ زائد از ضرورت دولت کے ارتکاز، احتکار کنز کو اللہ کی طرف سے عذاب الیم کا موجب (دردناک عذاب) قرار دیا گیا۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ	جو لوگ جمع کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی
ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم	اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں
بعذاب الیم[2]۔	دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

مدینہ، مکہ اور حجاز کے باہر جب یمن، بحرین اور دوسرے عرب علاقے فتح ہوئے تو آنحضرت صلعم نے اسلام کا یہی عادلانہ نظام وہاں بھی قائم کیا۔ جب پورا جزیرہ عرب فتح ہوگیا تو آپ نے اسلامی معاشی نظام کو پورے عرب میں نافذ کر دیا۔ مشہور سیرت نگار ابن سید الناس نے اپنی کتاب "عیون الاثر"[3] میں اور عبدالحی الکتانی نے اپنی کتاب نظام الحکومۃ النبویۃ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاملین اور ان کے طرز حکومت کی تفصیلات درج کی ہیں۔ ان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاملین نے جو معاشی نظام قائم کیا تھا اس کے تحت ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے صوبے اور علاقے میں سے ایک مقررہ مدت کے اندر اندر غربت وافلاس ختم کر کے خوشحالی اور فارغ البالی پیدا کرنے کا ذمے دار ٹھہرایا گیا تھا۔ اس عظیم مقصد کو ایک

مختصر مدت میں حاصل کرنے کا طریق کار یہ تھا کہ وہاں کے امیر اور دولت مند طبقے سے زکواۃ و صدقات کی رقم جمع کر کے غریب، مفلس اور محتاج لوگوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ یہ معاشی نظام قرآن حکیم کی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔ فرمان الٰہی ہے۔

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیآ منکم[۴] تاکہ دولت مالدار لوگوں میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔

اور یہی سنت نبوی ہے:

توخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم[۵] صدقات ان کے اغنیاء سے وصول کئے جائیں اور ان کے غریبوں میں تقسیم کئے جائیں۔

تقسیم دولت کے اس نظام کا فوری طور پہ یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ معاشرے سے دولت و غربت کا غیر مساوی نظام ختم ہو گیا اور اس کی جگہ منصفانہ اور عادلانہ نظام قائم ہو گیا۔ معاشرے میں دولت و امارت وجہ عزت و افتخار نہ رہی بلکہ اس کی جگہ تقویٰ اور صالحیت نے لے لی۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم[۶] تم میں معزز ترین اللہ کے نزدیک متقی لوگ ہیں۔

لوگ اس لئے محنت نہ کرتے تھے کہ اس کے صلے میں وہ امیر اور دولت مند ہو جائیں گے بلکہ اس لئے محنت کرتے تھے کہ ان کی محنت کے عوض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بحیثیت مجموعی خوشحال ہو گی۔

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم واخرین من دونھم، لاتعلمونھم اللہ یعلمھم[۷]۔ ان کے مقابلے میں پوری قوت اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو۔ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو ڈراؤ گے اور اپنے دشمنوں کو بھی اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے۔

جنگوں میں مال غنیمت کا حصول محبوب ترین چیز تھی مگر اسلام میں اگر کوئی شخص جہاد کرے اور اس کی نیت متاع دنیا ہو تو اسے کوئی ثواب نہیں ملے گا :

ابو داؤد میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا :

رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ وھو یبتغی عرضاً من عرض الدنیا — ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے۔

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا اجر لہ — آپ نے فرمایا اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔

اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا :

کوئی شخص غنیمت کے لئے، کوئی نام کے لئے، کوئی اظہار شجاعت کے لئے جہاد کرتا ہے، کس کا جہاد خدا کی راہ میں سمجھا جائے گا ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا — جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو۔

خدا کا بول بالا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کے بعد اپنے تمام ذرائع و وسائل ایثار کرنے میں صرف کردے۔ اپنی ذہنی، جسمانی اور اعلیٰ صلاحیتیں انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کردے۔ یہ ایثار اسے مزید محنت کرنے پر آمادہ کرے حتیٰ کہ وہ اس راہ میں اپنی جان تک قربان کردے۔ یہ ہے وہ جذبہ محرکہ جو اسلام اپنے ماننے والوں میں پیدا کرتا ہے۔ محنت کے اس بے لوث جذبے نے اسلام کو تمام مادی نظاموں سے ممتاز کردیا ہے۔ قرآن میں یہ مضمون دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے :

وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ۔ — ان سے جنگ جاری رکھو حتیٰ کہ ظلم نابود ہوجائے اور صرف دین اللہ کے لئے باقی رہ جائے۔

دنیا میں سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ انسان کو اس کی خداداد صلاحیتوں کے اظہار سے روک دیا جائے اور اسے بنیادی ضروریات زندگی حاصل نہ ہوں جبکہ اللہ کا دین یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرے اپنی ضروریات کے مطابق مادی وسائل سے استفادہ کرے اور زائد از ضرورت مال انسانیت کی فلاح و بہبود کی خاطر اللہ کی راہ میں وقف کر دے۔ عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے دوران مسلمانوں میں ایثار و قربانی کا یہ جذبہ اس لئے پیدا ہو گیا تھا کہ مومنین نے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے بدلے جنت کا سودا کر رکھا تھا:

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔" بیشک اللہ نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔

آج بھی مسلمان اگر ایمان کے اس معیار پہ پورے اُتریں تو دنیا میں محنت کا جذبہ محرکہ دوبارہ پیدا ہو سکتا ہے، جو سرمایہ دارانہ اور اشتراکی دونوں نظاموں کے لئے بہترین مثال ثابت ہو سکتا ہے۔ محنت کا یہ جذبہ محرکہ اور پیداواری قوت کا یہ داعیہ تاریخ معاشیات میں اپنی مثال آپ ہے۔ چنانچہ اس نظام کے تحت چند سالوں میں غربت و افلاس ختم ہو گئی، مسلمانوں کا معیار زندگی بلند ہو گیا اور معاشرت میں خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔

تاریخ اسلام میں خلافت راشدہ کو بنیادی اور محوری حیثیت حاصل ہے۔ اس مبارک عہد کو خلافت علی منہاج نبوت بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس عہد میں جو نظام حکومت قائم ہوا وہ عہد نبوت کی طرز پہ چلا اور مستحکم ہوا۔ خلفائے راشدین نے تقسیم دولت کا جو نظام اپنایا وہ کتاب و سنت کے عین مطابق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فیوض و برکات سے دنیا مستفید ہوئی۔ اسلامی نظام معاشیات پہ لکھی جانے والی کتابوں میں امام ابو یوسف کی کتاب "الخراج" اولین کتابوں

میں سے ہے۔ اس لئے صحت و سند کے اعتبار سے اپنے موضوع پر نہایت مستند اور معتبر کتاب مانی جاتی ہے۔ امام ابو یوسف نے اپنی اس کتاب میں خلفائے راشدین کے نظام تقسیم دولت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر یحییٰ بن آدم کی "کتاب الخراج" اور امام ابو عبید بن سلام کی "کتاب الاموال" بھی بڑی جامع اور مبسوط کتابیں ہیں۔

امام ابو یوسف نے ابن ابی نجیح کے حوالے سے روایت کی ہے کہ پہلے پہل جب اوّل خلیفہ راشد حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بحرین سے مال آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو کچھ دینے کا وعدہ فرما رکھا تھا آپ نے انہیں ادا کرنے کے بعد بقیہ تمام مال و دولت کو لوگوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم میں آپ نے چھوٹے اور بڑے، آزاد اور غلام، مرد اور عورت سب کو برابر برابر حصہ دیا۔ اس تقسیم میں سب لوگوں کو سات درہم اور ایک تہائی حصہ آیا:

بقیت بقیة من المال فقسمها بین الناس بالسویة علی الصغیر والکبیر، والحر والمملوك والذکر والانثیٰ فخرج علی سبعة دراھم وثلث لکل انسان[۱۲]	اگلے سال اس سے بھی زیادہ مال آیا۔ آپ نے تقسیم دولت کے اسی نظام کے تحت سب لوگوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا۔ اس دفعہ ہر انسان کو بیس بیس درہم حاصل ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب دو سال تک تقسیم دولت کی اس پالیسی پر عمل کر چکے تو مسلمانوں میں سے بعض آپ کے پاس آئے اور کہا:

یا خلیفة رسول اللہ، انك قسمت هذا المال فسویت بین الناس	اے خلیفہ رسول اللہ، آپ نے یہ مال تقسیم کیا اور سب لوگوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا حالانکہ

ومن الناس اناس. لهم فضل وسوابق وقدم، فلو فضلت اهل السوابق والقدم والفضل بفضلهم[۱۳]

لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں فضیلت، سبقت اور اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔ بہتر ہوتا کہ آپ اہل سبقت، اولیت اور فضیلت ان کی فضیلت کے سبب دوسروں پر ترجیح دیتے۔

حضرت ابوبکرؓ نے معترضین کے اعتراض اور ان کے دلائل کو پوری توجہ سے سنا اور ان کے جواب میں فرمایا:

اما ما ذکرتم من السوابق والقدم والفضل فما اعرفنی بذلك، و انما ذلك شئ ثوابه علی الله جل ثناؤه، وهذا معاش فالاسوة فيه خير من الاثرة[۱۴]

آپ لوگ جس سبقت، اولیت اور فضیلت کا ذکر کر رہے ہیں میں اسے (معاشی نقطہ نظر سے کوئی) اہمیت نہیں دیتا۔ کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا ثواب اللہ جل ثناؤہ کے پاس ہے اور یہ (زیر بحث) مسئلہ معاش کا مسئلہ ہے اس میں ترجیح کی بجائے برابری بہتر ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پورے عہد خلافت میں اسی برابری کی پالیسی پر عمل فرمایا۔ حالانکہ جیسا کہ آپ نے خود فرمایا اسلامی خدمات میں اولیت، فضیلت اور سبقت کی اہمیت کو ان سے زیادہ کون جانتا تھا۔ مگر اس بات کی وضاحت بھی صرف حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہی کر سکتی تھی کہ صحابہ کرامؓ نے اسلام کی راہ میں جو خدمات انجام دی تھیں وہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے انجام دی تھیں ان میں مادی فوائد اور مفادات کے حصول کا شائبہ تک نہ تھا:

رضی الله عنهم ورضوا عنه ذلك الفوز العظيم

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اسلام اور امت مسلمہ کی خاطر خدمات انجام دینے سے جو کامیابی (فوز عظیم) حاصل ہوتی ہے وہ مادی فوائد سے کہیں زیادہ ہوتی ہے

اور صحابہ کرامؓ نے اسی فوز عظیم کی خاطر سب کچھ کیا تھا نہ کہ غنیمت کے مال سے زیادہ حصہ لینے کے لئے۔ آپ کا یہ نظام یقیناً اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم اور اللہ کے آخری رسول، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تعلیمات پر مبنی تھا۔ قرآن حکیم کی تعلیمات ایثار کا سبق دیتی ہیں اور سنت رسول ان پر عمل کی راہ دکھاتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

ویسئلونك ماذا ینفقون قل العفو [15] — لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں، کہہ دیجئے ہر وہ چیز جو ضرورت سے زائد ہو۔

قرآن نے مسلمانوں کی ایک صفت یہ بیان کی ہے:

الذین ینفقون اموالھم بالليل والنهار سرًا وعلانیه [16] — مسلمان وہ ہیں جو اپنے مال رات اور دن خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔

مسلمانوں کی ایک صفت اس طرح بیان ہوئی ہے:

ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصة۔ — وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود تنگی میں ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے اسلامی خدمات اولیت، فضیلت اور سبقت کو پیش نظر رکھنے کی بجائے معاشی نقطہ نظر سے جو "الاثرة" یعنی ترجیح کی جگہ "الاسوة" یعنی برابری کا نظام وضع کیا اس کی بنیاد قرآن حکیم کی یہی آیت ویؤثرون ہی تھی یہی وجہ ہے کہ آپ کا نظام تقسیم دولت کامیاب رہا اور اس دوران مسلمانوں میں جمع و احتکار اور ارتکاز دولت نہیں ہوئی بلکہ دولت مسلم معاشرت میں مسلسل گردش کرتی رہی، معاشرہ بحیثیت مجموعی خوشحالی کی منازل طے کرتا رہا اور عوام کا معیار زندگی بڑھتا چلا گیا۔

اور آپ کے زمانے میں فتوحات کا دائرہ مزید وسیع ہوا اور اموال و غنائم کثرت سے

آئے۔ ان کثیر اموال وغنائم کی تقسیم کا وقت آیا تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی تقسیم دولت کی پالیسی پر غور کیا اور اس پر نظر ثانی کرنے کے متعلق سوچنے لگے، انہیں خیال پیدا ہوا:

ان ابا بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رای فی ھذا المال رایا ولی فیہ رأی آخر لا اجعل من قاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمن قاتل معہ[19]

ابوبکر نے تقسیم دولت کے بارے میں ایک پالیسی اختیار کی تھی اور میری اس بارے میں دوسری پالیسی ہے میں اس شخص کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں لڑا ہو، اس شخص کے برابر قرار نہیں دے سکتا جس نے آپ کا ساتھ دیا ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مؤقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

واللہ الذی لا الہ الا ھو ما احد الا ولہ فی ھذا المال حق اعطیہ او منعہ وما احد احق بہ من احد الا عبد مملوک، وما انا فیہ الا کاحدکم ولکنا علی منازلنا من کتاب اللہ عزوجل وقسمنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فالرجل وتلادہ فی الاسلام، والرجل وقدمہ فی الاسلام: والرجل وغناؤہ فی الاسلام والرجل وحاجتہ فی الاسلام واللہ لئن بقیت لیأتین الراعی بجبل

اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ایسا کوئی شخص نہیں جس کا اس مال میں حق نہ ہو میں اسے اس کا حصہ دوں گا یا (بوجوہ) اس کا حصہ روک لیا جائے گا کوئی کسی سے زیادہ مستحق نہیں سوائے غلام کے، تقسیم مال میں میری حیثیت تم میں سے ایک فرد کی سی ہے۔ البتہ کتاب اللہ کی رو سے ہماری درجہ بندی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے تقسیم فرمائی ہے۔ ایک آدمی ہے جس کا اسلام میں مرتبہ ہے۔ ایک آدمی ہے جسے اسلام میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ ایک آدمی ہے جسے اسلام میں غنا ہے۔ ایک آدمی ہے جسے اسلام سے

صنعاء حظه من هذا المال وهو مكانه قبل ان يحمر وجهه يعني في طلبه۔[۲۰]

حاجت ہے۔ بخدا اگر میں زندہ رہا تو صنعا پہاڑ میں گڈریئے کو اس مال سے حصہ مل کر رہے گا۔ اس کا حصہ اس کے مکان پر ملے گا اور حصے کی طلب میں اس کا چہرہ سرخ ہونے سے پہلے ملے گا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے نظام تقسیم دولت سے اختلاف کرتے ہوئے "تسویہ" معاشی برابری کی بجائے اولیت فضیلت اور مقام و مرتبہ کی بنیاد پر تقسیم دولت کا نظام وضع کیا۔ اسی کے مطابق مہاجرینؓ انصارؓ اور دوسرے لوگوں کی درجہ بندی کی۔ وہ مہاجرینؓ اور انصارؓ جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے ان کے لئے پانچ پانچ ہزار درہم مقرر ہوئے، جو حضرات فضیلت میں اصحاب بدر کے ہم پلہ تھے مگر غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، ان کے لئے چار چار ہزار درہم مقرر کئے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے بارہ بارہ ہزار مقرر کئے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لئے چار ہزار اور اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے لئے تین ہزار مقرر کئے۔ آپ کے بیٹے نے عرض کی، اے ابا آپ نے اسامہ کو مجھ سے ایک ہزار درہم زیادہ کیوں دیئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اس لئے کہ اسامہ کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے والد سے زیادہ محبوب تھے اور اسامہ آپ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے۔ اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کئے۔ ان دونوں کو ان کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے ان کے والد کے برابر حصہ دیا۔ اہل مکہ اور دوسرے لوگوں

کو صرف آٹھ آٹھ سو درہم دیئے گئے[۲۱]

امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے ایران و روم کی فتح نصیب کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کا اجلاس طلب فرمایا اور اس کے سامنے مسلمانوں کے روزینے مقرر کرنے کے لئے سالانہ رقم مقرر کرنے کا مسئلہ پیش کیا:

فقال: ما ترون، فانی أری ان أجعل عطاء الناس فی کل سنة واجمع المال فانه اعظم للبرکة[۲۲]۔	آپ نے استفسار کیا: آپ لوگوں کی کیا رائے ہے، میری رائے تو یہ ہے کہ میں لوگوں کے لئے سالانہ روزینے مقرر کردوں اور مال و دولت جمع کروں۔ یہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کیلئے بہت عظیم خیر و برکت کا موجب ہوگا۔

اصحاب شوریٰ نے مسئلہ زیر بحث پر پوری طرح سوچ بچار کی مختلف پہلوؤں سے اس کا جائزہ لیا۔ بالآخر وہ سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی حکمت کو پاگئے:

قالوا: اصنع ما رایت، فانك ان شاء الله موفق[۲۳]۔	سب نے متفقہ طور پر کہا: جو آپ کی رائے ہے اس پر عمل فرمائیے، انشاء اللہ آپ کو توفیق حاصل ہوگی۔

مجلس شوریٰ کے اس فیصلے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روزینے مقرر فرمائے، ان کی شرح اور ادائیگی کا حساب کتاب رکھنے کے لئے دیوان کی تیاری کا حکم صادر فرمایا جس کے لئے لوح (رجسٹر) طلب فرمایا: "فدعا باللوح" اب مسئلہ یہ پیش آیا کہ اس دیوان کی ابتدا کس سے کی جائے؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے رائے دی" ابدأ بنفسك" آپ اپنے نام سے ابتدا کیجئے۔ آپ نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ بلکہ خود ہی فرمایا: "ولکن ابدأ ببنی هاشم رهط النبی صلی اللہ علیہ وسلم": بلکہ میں بنی ہاشم سے ابتدا کرتا ہوں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ ہیں۔ ثم الاقرب فالاقرب الی بنی ہاشم: پھر بنی ہاشم

سے قریب سے قریب تر کی بنیاد پر دیوان مکمل ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تقسیم دولت کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی طے پایا تھا کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کو ایک سو درہم دیئے جائیں، جب بچہ ذرا بڑا ہو جاتا تھا تو دو سو درہم اور جب وہ بالغ ہو جاتا تو اور بڑھا دیئے جاتے تھے۔

وکان للنفوس اذا طرحته امه مائة درهم، فاذا ترعرع بلغ به مائتين، فاذا بلغ زاده[۲۴]۔

آج ایسی مختلف پالیسیوں اور سکیموں پر مغربی اور مشرقی ممالک عمل پیرا ہیں۔ جن کے تحت ملک کے تمام شہریوں کے روزگار کی ذمے داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اگر حکومت کسی شہری کو روزگار فراہم نہ کر سکے تو اسے روزینہ دینے پر مجبور ہوتی ہے۔ اسی طرح بچوں بوڑھوں، اپاہجوں، محتاجوں، معذوروں، بیواؤں وغیرہ کی مالی اعانت اور فلاح و بہبود کے لیے مختلف ترقی یافتہ ممالک میں مختلف طریقے رائج ہیں۔ حالانکہ جیسے اوپر بیان ہوا یہ سب طریقے ابتدائے اسلام کے انتہائی ترقی یافتہ اور منظم نظام کی ایک جھلک ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ غیر تو غیر خود مسلمان اسلام کے اس نظام تقسیم دولت سے بے خبر ہیں اور آج جب وہ عہد حاضر کے ترقی یافتہ ممالک میں اس قسم کی سکیموں کا ذکر سنتے ہیں تو حیرت و استعجاب سے ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید یہ عہد حاضر ہی کی ایجاد ہیں۔ اور یہ کہ شاید تاریخ میں پہلی دفعہ ایسا ہوا ہے۔ مگر جیسا کہ اوپر بیان ہوا اوروں پہ کیا شکوہ خود مسلمان اپنے دین، اس کی بنیادی تعلیمات اور اپنی تاریخ سے اس حد تک بے خبر ہیں کہ جب ابتدائے اسلام کی یہ باتیں انہیں بتائی جاتی ہیں تو وہ اس قدر حیران ہوتے ہیں کہ انہیں ان کی صحت پہ یقین نہیں آتا

اور وہ بڑی مشکل سے انہیں ماننے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ ہمارے چاروں طرف معاشرہ ان تعلیمات کے خلاف قائم ہے اور جن لوگوں سے مسلمانوں کو توقع ہے کہ وہ انہیں صحیح دین اسلام بتائیں گے وہ ان کی توقع پر پورے نہیں اتر رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ مدت تک اپنی وضع کردہ فضیلت پر مبنی تقسیم دولت کی پالیسی پر عمل فرمایا۔ اس دوران اس پالیسی کے اثرات و نتائج معاشرت پر مرتب ہونے شروع ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بیدار مغز حکمران، وسیع القلب مدبر، وسیع النظر مفکر اور کتاب و سنت کی تعلیمات پر ہمیشہ غور و فکر کرتے رہنے والے مرد مومن کی طرح خود ہی اپنی تقسیم دولت کی پالیسی کے اثرات کا جائزہ لیا۔ اور اس کے نتائج پر غور کرنے کے لئے، گہرے غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ تقسیم دولت کی اس پالیسی کے سبب ارتکاز دولت ہونے لگی ہے اور دولت معاشرے میں گردش کرنے کی بجائے چند ہاتھوں میں سمٹنے لگی ہے: "ولما رای المال قد کثر" جب دیکھا کہ دولت کی کثرت ہونے لگی ہے اور اس کے مطابق معاشرے میں تبدیلیاں واقع ہونے لگی ہیں تو آپ نے ارتکاز دولت کے محرکات و عوامل اور اس کے اسباب و علل پر توجہ دی۔ بالآخر آپؓ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کا وضع کردہ نظام تقسیم دولت نظر ثانی کا محتاج ہے چنانچہ آپ نے اس پر نظر ثانی کا پختہ فیصلہ کر لیا اور اپنے اس فیصلے کا اعلان بھی فرما دیا۔

قال "لئن عشت الی ھذہ اللیلۃ	آپ نے فرمایا: اگر میں آئندہ مالی سال کے آغاز
من قابل لالحقن اخری الناس	کی رات تک زندہ رہا تو بالضرور آخرین کو اولین
باولھم حتی یکونوا فی العطاء سواء"[۲۵]	کیساتھ ملا دوں گا تاکہ وہ عطایا میں برابر برابر ہو جائیں

راوی کہتا ہے کہ آئندہ سال آنے سے قبل ہی آپ شہید کر دیئے گئے اللہ آپ پر اپنی رحمت فرمائے فتوفی رحمہ اللہ قبل ذلک[۲۶]۔

ظاہر ہے کہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئندہ مالی سال کے آغاز تک زندہ رہتے تو آپ اپنے اعلان کے مطابق اپنے وضع کردہ نظام تقسیم دولت پر ضرور نظر ثانی فرماتے، اولیت اور فضیلت کی بنیاد پر معاشی نقطۂ نظر سے ترجیح کی بجائے برابری کے اصول پر عمل پیرا ہوتے۔ آپؓ نے اپنے اعلان میں جو فرمایا کہ "میں آخرین کو اولین کے ساتھ ملا دوں گا" تو اس سے یہی مراد تھی کہ جن لوگوں کو اسلام قبول کرنے میں اولیت کی فضیلت حاصل ہے اور جن کو دولت اسلام بعد میں حاصل ہوئی ان میں معاشی نقطہ نظر سے تفاوت نہیں ہونا چاہیئے وہ روزی کے معاملے میں برابری کے مستحق ہیں۔ آپ نے یہ بھی اعلان فرما دیا کہ آئندہ مالی سال سے وہ اس تفاوت کو ختم کر دیں گے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح سب کو برابر برابر دیں گے۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے نظام تقسیم دولت کی حکمت کو اپنے عملی تجربے سے پہچان لیا تھا۔ اور اس کی بہتری کے قائل ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نظام کو دوبارہ اپنانے کے فیصلے کا اعلان بھی فرما دیا تھا۔ مگر آپؓ شہید کر دیئے گئے اور شہادت نے آپؓ کو نظام میں تبدیلی لانے کی مہلت نہ دی۔ آپؓ کی شہادت کے محرکات کا اس نقطۂ نظر سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

عہد خلافت راشدہ میں تقسیم دولت کا نظام قائم کرنے میں ان فتوحات کو بڑا دخل تھا جو عراق، ایران، شام، مصر، شمالی افریقہ اور وسط ایشیا میں مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔ اور ان فتوحات کے نتیجے میں مفتوحہ ممالک کی زرعی اراضی مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ اسلام نے اس تقسیم میں انتظامی تبدیلیاں پیدا کیں۔ تبدیلیاں یہ تھیں، تمام مسلمان مجاہدین کو بلا امتیاز رتبہ برابر برابر حصہ ملتا تھا۔ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ ایک مسلمان زیادہ شجاع اور بہادر ہے وہ اسلحہ سے

بھی زیادہ لیس ہے۔ تو اس کو زیادہ حصہ ملے اور ایک مسلمان کمزور ہے اور اس کے پاس تلوار کے سوا اسلحہ بھی نہیں تو اسے کم حصہ ملے، اس طرح یہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ ایک مسلمان مجاہد کا گھوڑا طاقتور قوی اور توانا ہے اور دوسرے کا کمزور اور ناتواں، تو طاقتور گھوڑے والے کو زیادہ حصہ ملے اور کمزور والے کو تھوڑا۔ بلکہ سب کا حصہ برابر ہوتا تھا۔

ولا یفضل الخیل بعضها علی بعض .... ولا یفضل الفرس القوی علی الفرس الضعیف، ولا یفضل الرجل الشجاع التام السلاح علی الرجل العبان الذی لا سلاح معه الا سیفه[۲۷]۔

یہ تفصیل بتاتی ہے کہ اسلامی فوج بلا امتیاز رتبہ سب اسلام کے سپاہی تھے۔ ان کی جانثاری، شجاعت، بہادری صرف اور صرف اسلام کے لئے وقف تھی، انہیں مقام و رتبہ صرف مزید خدمات بجا لانے کے لئے ملتا تھا اس میں مادی محرکات و عوامل شامل نہ ہوتے تھے نہ تنخواہ بڑھتی تھی نہ مال غنیمت میں زیادہ حصہ ملتا تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی فوج تسویہ اور برابری کی بنیاد پر قائم تھی نہ مربعے الاٹ ہوتے تھے نہ جاگیریں ملتی تھیں اور نہ مادی فوائد ان کی بے لوث خدمات کے محرکات تھے۔

عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں صحابہ کرام نے شجاعت و بہادری کے جو عظیم الشان اور محیر العقول کارنامے انجام دیئے وہ سب مادی محرکات سے بالا اور بے نیاز ہو کر انجام دیئے ان مبارک عہدوں میں نظام تقسیم دولت کے تحت تمام مسلمانوں کی عزت نفس محفوظ تھی، انہیں اپنی قابلیت اور صلاحیت کے اظہار کے وافر مواقع فراہم تھے۔ وہ جس فن کو اپناتے تھے اس میں کمال کر دکھاتے تھے انہیں حادثات میں گرفتار ہو کر پریشان ہونے کی فکر دامن گیر نہ ہوتی تھی وہ بے خوفی اور بے باکی سے مہم جوئی کو دعوت دیتے تھے اسلام کی خاطر جانثاری

اور فدا کاری ان کا معمول تھا۔

خلافت کا نظام تقسیم دولت انہیں بیوی بچوں کی کفالت سے بے نیاز کر دیتا تھا وہ ماں باپ کے بڑھاپے اور بہن بھائیوں کے مسائل سے بے فکر ہوتے تھے اس لئے کہ حکومت تمام شہریوں کی کفالت کی ذمے دار تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شہری پوری بے جگری، دلجمعی، لگن، اور مشن سے اپنے فرائض انجام دیتا تھا ملک و معاشرہ اور فضا و ماحول اسے تخلیقی کارنامے انجام دینے پر اکساتے تھے۔ تقسیم دولت کے اس نظام کی بدولت مسلمانوں کے اندر قوت کار کا بے پناہ اضافہ ہوا، اور اس قوت کار کے محرکات خالصتہ دینی، اسلامی اور روحانی تھے، مادی اور ذاتی ہرگز نہ تھے۔ دوسرے نظاموں پر اسلام کو یہی فضیلت حاصل ہے کہ اس میں غیر مادی عوامل انسان کو بے پناہ قوت کار عطا کرتے ہیں۔ اور اس کی کارکردگی ان مادی عوامل کے مقابلے میں کئی گنا اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ غیر اسلامی نظام والوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مادی محرکات کے علاوہ بھی کوئی جذبہ محرکہ ایسا ہے جو انسان کو قوت کار عطا کر سکتا ہے اور اسے انسانیت کی مجموعی فلاح و بہبود کے لئے کام پر ابھار سکتا ہے۔ حالانکہ اگر قرآن و سنت کی تعلیمات کا ٹھنڈے دل و دماغ غیر جانبدارانہ انداز، غیر متعصبانہ طریق اور محققانہ طرز پر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ اسلام خالصتہً غیر مادی عوامل اور کلیتہً دینی محرکات سے انسان میں یہ قوت کار پیدا کرتا رہا ہے اور جب بھی اسے دل و دماغ کی کامل ہم آہنگی کے ساتھ اپنایا گیا وہ یہی نتائج پھر پیدا کر سکتا ہے۔

اسلامی فتوحات کے نتیجے میں جو زرعی اراضی مسلمانوں کو حاصل ہوئیں ان کی تقسیم بھی اسی اصول پر ہوئی، جزیرہ عرب کے باہر عراق، ایران، شام، مصر، شمالی افریقہ اور

وسط ایشیا کی فتوحات و اراضیات پر تاریخ اسلام کی متداول کتب کے علاوہ فتوح البلدان فتوح الشام، مغازی، سیرت و دیگر فنون کی کتب تفصیل سے روشنی ڈالتی ہیں۔ اراضیات کی تقسیم کا مسئلہ امام ابو یوسف، امام ابو عبید، امام یحییٰ بن آدم وغیرہ ائمہ نے شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ جب عراق و شام کی زمینیں فتح ہوئیں تو بعض مسلمانوں نے انہیں غنیمت کے مال کی طرح تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا۔

وقد سأل بلال واصحابه عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه قسمه ما افاء اللہ علیهم من العراق والشام وقالوا اقسم الارضین بین الذین افتتحوها کما تقسم غنیمه العسکر[۲۸] "فابی عمر ذلك علیهم"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے حامیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عراق و شام کی مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کا مطالبہ کیا، کہا ان زمینوں کو ان کے فاتحین میں اس طرح تقسیم کریں جس طرح فوجی غنیمت تقسیم ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا

اور کہا:

فلو قسمته لم یبق لمن بعدکم شئی[۲۹]

اگر میں نے انہیں تقسیم کر دیا تو تمہارے بعد آنے والوں کے لئے کچھ نہ بچے گا۔

جو لوگ مفتوحہ زمینوں کی تقسیم چاہتے تھے ان کے دلائل یہ تھے کہ جن مجاہدین کی تلواروں نے یہ زمینیں فتح کی ہیں یہ انہیں کا حق ہے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان دلائل سے قائل نہیں ہوئے اور فرمایا۔

فکیف بمن یاتی من المسلمین فیجدون الارض بعلوجها

یہ تقسیم کیسے ممکن ہے؟ جب آئندہ مسلمان آئیں گے اور پائیں گے کہ زمینیں کسانوں سمیت تقسیم

قد اقتسمت وورثت عن الاباء وحیزت، ماھذا برأی۔[۳۰] ہو چکی ہے اور آباء سے اولاد میں وراثۃً ہو کر بٹ بھی چکی ہیں۔ یہ تو عجیب و غریب رائے ہے!۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بھی اپنے دلائل جاری رکھے اور فرمایا

فما الرای؟ ماالارض والعلوج الامما افاء اللہ علیھم۔[۳۱] تو یہ کیا رائے ہے؟ زمین اور کسان تو انہیں کے ہیں جن کے ہاتھوں اللہ نے انہیں فتح دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا آپ کی بات درست ہے مگر مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ اگر میں عراق اور شام کی زمینیں کسانوں سمیت تقسیم کر دوں تو سرحدوں کی حفاظت کیسے ہو گی اور اس ملک و دیگر ممالک شام و عراق کے بچوں اور بیواؤں کا کیا بنے گا؟ مخالفین کا جواب یہ تھا کہ آپ چاہتے ہیں کہ وہ زمینیں جنہیں ہماری تلواروں نے فتح کیا انہیں آپ ان لوگوں کے لئے وقف کر رکھیں جو نہ اس وقت موجود ہیں اور نہ ہی جنگ میں شریک ہوئے ہیں پھر آپ ان لوگوں کی اولاد کو دیں پھر ان کی اولاد کی اولاد کو دیں جو موجود ہی نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہی فرماتے جاتے "ھذا رأی"۔ یہ میری رائے ہے۔ مخالفین نے کہا اس پہ شوریٰ کا اجلاس بلایا جائے اور اس مسئلے پہ کھل کر بحث ہو چنانچہ مدینہ کی شوریٰ کا اجلاس بلایا گیا جس میں زمینوں کو ذاتی ملکیت میں دینے یا حکومت کی تحویل میں بطور امانت امت مسلمہ رکھنے کے مسئلے پہ بحث ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمینوں کو تقسیم کر کے ذاتی ملکیت میں دینے کے مخالف تھے شوریٰ میں جو صحابہؓ کرام آپ کے مؤقف کے حامی تھے ان میں منجملہ دیگر اصحاب کے چند مشہور نام یہ تھے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت علیؓ بن ابی طالب حضرت طلحہؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ۔ آپ کے مخالفین میں سرفہرست حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت بلالؓ تھے۔ انصار کے دونوں

بڑے قبیلوں اوس اور خزرج کے پانچ پانچ اشراف وکبار بطور خاص بلائے گئے اور بحث کا آغاز ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجلاس کے شروع ہی میں اپنے متعلق خاص طور پر فرمایا۔ "فانی واحد کاحدکم" میری حیثیت تم میں سے ایک فرد کی ہے[۳۱]۔ آج تم لوگ حق کو قائم کرنے والے ہو۔ جس نے میری مخالفت کی مخالفت کی اور جس نے میری موافقت کی موافقت کی اور نہ ہی میں چاہتا ہوں کہ تم میری خواہش کی پیروی کرو "لست ارید ان تتبعوا ھذا الذی ھوای"۔ تمہارے پاس اللہ کی کتاب ناطق بالحق ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا۔ تم ان لوگوں کے بیانات سن چکے جو گمان کرتے ہیں کہ میں نے زمینیں ان کی ذاتی ملکیت میں نہ دے کر ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا ہے حالانکہ میں ظلم پر سوار ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اگر کوئی چیز ان کی تھی جو میں نے انہیں نہیں دی ان کے علاوہ کسی اور کو دے دی ہے تو واقعی میں نے ظلم کیا ہے

قال۔ قد سمعتم کلام ھولاء القوم الذین زعموا انی اظلمھم حقوقھم وانی اعوذ باللہ ان ارکب ظلماً۔ لئن کنت ظلمتھم شیأ ھو لھم واعطیتہ غیرھم لقد شقیت[۳۲]۔

بلکہ میری رائے یہ ہے کہ کسریٰ کی زمینیں فتح ہو چکی ہیں۔ اللہ نے ہمیں ان کے اموال اراضی اور کسان فتح میں دیئے ہیں۔ میں اموال ان میں تقسیم کر چکا ہوں، اور خمس نکال چکا ہوں، اور میرا موقف یہ ہے کہ زمینیں کسانوں سمیت بحق سرکار حکومت کی تحویل میں روک لوں۔ اور ان پر خراج لگا دوں۔ اور ذمیوں پر جزیہ مقرر کر دوں جسے وہ حکومت کو ادا کریں

وقد رأیت ان احبس الارضین بعلوجھا واضع علیھم فیھا الخراج وفی رقابھم الجزیۃ یودونھا۔

یہ سب مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت قرار پائے۔

فتکون فیئا للمسلمین المقاتلہ والذریۃ ولمن یاتی من بعدھم[۳۴]

مسلمانوں کی اس مشترکہ ملکیت میں مجاہدین، بچے اور ان کی آئندہ نسلیں شریک ہوں۔
آپ یہ سرحدیں دیکھ رہے ہیں۔ جن کی حفاظت کے لئے فوج درکار ہے، آپ یہ عظیم الشان ممالک شام جزیرہ کوفہ، بصرہ، مصر، دیکھ رہے ہیں جن میں لشکروں کی ضرورت ہے۔ جن پر اخراجات ہوں گے۔ یہ سب کہاں سے آئیں گے اگر زمینیں اور کسان تقیم کر دیئے جائیں۔ أرأیتم هذه الثغور لا بد لها من رجال یلزمونها، أرأیتم هذه المدن العظام کالشام والجزیرہ والکوفہ والبصرہ ومصر۔ لا بد لها من ان تشحن بالجیوش، وادرار العطاء علیهم فمن این یعطی هؤلاء اذا قسمت الارضون والعلوج[۳۵]؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر نہایت پر مغز، مؤثر اور مدلل تھی آپ کے دلائل انتہائی وزنی آپ کی باتیں مسکت اور لاجواب تھیں آپ نے اپنے موقف کی تائید میں سورۃ حشر کی سات سے دس تک آیات تلاوت فرمائیں۔ جن میں مفتوحہ زمینوں کی تقیم اور ان سے استفادے کی تعلیم دی گئی ہے۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اهل القری

فللہ وللرسول

ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل۔

وللفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارهم واموالهم

والذین تبوؤا الدار والایمان من قبلهم

والذین جاءو من بعدهم

ان آیات میں تقسیم دولت کا بنیادی اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ دولت معاشرے میں مسلسل گردش کرتی رہے اور وہ صرف سرمایہ داروں کے درمیان ہی سمٹ کر نہ رہ جائے۔ زمینوں کی تقسیم پانچ اقسام پر مشتمل بتائی۔

۱۔ اللہ اور رسول

۲۔ اقرباء، یتامی، مساکین اور مسافر

۳۔ مہاجرین

۴۔ انصار

۵۔ آئندہ آنے والے مسلمان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال یہ تھا کہ جب خود قرآن حکیم نے مفتوحہ زمینوں کی آمدنی میں آئندہ آنے والے مسلمانوں کو شریک کیا ہے اور انہیں ان زمینوں سے مستفید ہونے کا اسی طرح مستحق ٹھہرایا گیا ہے، جس طرح مہاجرین اور انصار مستحق ہیں تو پھر کس طرح موجودہ مسلمانوں میں یہ زمینیں تقسیم کر دی جائیں اور آئندہ اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کو ان سے محروم کر دیا جائے۔ ایسی تقسیم قرآن حکیم کی تقسیم کے خلاف ہو گی۔ اس لئے مفتوحہ زمینوں کی تقسیم از روئے قرآن اسی صورت میں درست قرار پائے گی جبکہ انہیں فاتحین میں تقسیم کرنے کی بجائے حکومت کی تحویل میں رہنے دیا جائے۔ موجودہ اور آئندہ مسلمان ان کی مجموعی آمدنی سے مستفید ہوتے رہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جیسے ہی اپنی تقریر ختم فرمائی تو مخالف و موافق سب پکار اٹھے۔ "الرای رایك" رائے آپ ہی کی رائے ہے۔ آپ نے جو کچھ کہا اور آپ نے جو کچھ سوچا بالکل درست ہے۔ "فنعم ما قلت وما رأیت" اگر ان سرحدوں کی حفاظت

نہ ہوئی۔ ان شہروں کی نگرانی نہ کی گئی تو کفار پھر ان شہروں کی طرف لوٹ کر ان پر قابض ہو جائیں گے۔ مجلس شوریٰ نے جب متفقہ طور پر آپ کے موقف کی تائید کر دی تو آپ نے فرمایا اب بات بالکل کھل کر واضح ہو گئی ہے۔ "قد بان لی الامر"۔[۳۶]

اس سے ظاہر ہے کہ جب تک شوریٰ کا اتفاق رائے نہیں ہوا اس وقت تک حضرت عمر مسلسل اپنی رائے کو ذاتی رائے قرار دیتے رہے آپ نے کسی موقع پر حق استرداد استعمال نہیں کیا آپ نے اپنی قابلیت اور اعلیٰ قائدانہ صلاحیتوں سے اتفاق رائے سے قانون بنایا۔

چنانچہ مجلس شوریٰ کا متفقہ فیصلہ اور صحابہ کرام کا اجماع قانونی شکل اختیار کر گیا حضرت عمر نے مجلس شوریٰ کا وضع کردہ یہ قانون فاتح سواد عراق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا تاکہ وہ اسے نافذ کریں حضرت سعد نے اس پر عمل کرتے ہوئے زمینیں حکومت کی ملکیت قرار دے دیں۔ حضرت عمر نے ماہر اراضیات حضرت عثمان بن حنیف کو عراق بھیجا کہ وہ زمین کی ساحت کے فرائض انجام دیں جس کے مطابق خراج مقرر ہوا۔ اس اجماعی فیصلے کی روشنی میں تمام ممالک اسلامیہ کی اراضی حکومت کی ملکیت قرار پائیں۔ ان کی مجموعی آمدنی سے مسلمانوں کو مقررہ شرح سے روزینے دیئے جاتے تھے بقیہ آمدنی اسلامی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت اور مسلمانوں کی اجتماعی فلاح وبہبود اور امت مسلمہ کی ترقی وعروج پر خرچ ہوتی رہی۔

جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی تو حکمرانوں نے اسلام کی تعلیمات کے خلاف ممالک اسلامیہ کی زمینوں میں تصرف کرنا شروع کر دیا۔ وہ انہیں امت مسلمہ کی مشترکہ ملکیت سے نکال کر ذاتی اغراض وخواہشات اور شخصی مفادات ومقاصد کے لئے استعمال میں لانے لگے۔ حکمرانوں کی غلط بخشیوں کے سبب امت مسلمہ کی مشترکہ امانت (فیئا للمسلمین) میں

خیانت ہونے لگی۔ امت کی کثیر آبادی کو زمینوں کی ملکیت سے محروم کر کے ایک محدود جاگیردار طبقہ پیدا کیا گیا۔ سامراجی (یورپی) حکمرانوں نے اپنے مفادات کے حصول کے لئے زمینوں کو جاگیروں کی شکل میں دے کر امت مسلمہ کی مشترکہ امانت میں خیانت کی حد کر دی۔

اسلامی حکومت کا اولین فرض ہے کہ وہ اسلام کے نظام تقسیم دولت کو اپنائے۔ زر اور زمین کا اسلامی تعلیمات کے مطابق نظام قائم کرے۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے عملی تجربہ سے اس نظام کی صداقت، حقیقت اور حکمت کو پہچان لیا تھا اور اسے اپنانے کا اعلان فرما دیا تھا۔ امت مسلمہ منتظر ہے کہ کوئی مسلمان حکومت حضرت فاروق اعظم کے اعلان کے مطابق اسلام کا نظام تقسیم دولت دوبارہ نافذ کرے۔ اس وقت افراط و تفریط پر مبنی دو معاشی نظام، سرمایا دارانہ اور اشتراکیت، دنیا میں رائج ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام ذاتی اور شخصی مقاصد پر مبنی ہے اسی نظام میں زمین، صنعت اور تجارت میں محنت کا جذبہ محرکہ ذاتی مفادات ہیں۔ اشتراکی نظام میں محنت کا یہ جذبہ محرکہ نہیں۔ اس نظام کے حامی دعویٰ کرتے ہیں کہ ذرائع و وسائل دولت چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہوتے۔ اسلام کے نظام تقسیم دولت میں محنت کا جذبہ محرکہ بھی وافر مقدار میں موجود ہے اور ذرائع وسائل دولت بھی چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہوتے۔ بلکہ دولت مسلسل گردش کرتی رہتی ہے۔ گویا یہ نظام محنت کے لامتناہی جذبہ محرکہ اور ذرائع و وسائل دولت کے مسلسل گردش کرتے رہنے کا دوسرا نام ہے جس سے انسان کے معیار زندگی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور معاشرہ مسلسل عروج و ارتقاء کی منازل طے کرتا جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ قرآن حکیم سورۃ ۲: ۲۶۵

۲۔ قرآن حکیم (۹ : ۳۴)

۳۔ ابن سید الناس، عیون الاثر ۲: ۲۴۶

۴۔ قرآن حکیم (۵۹ : ۷)

۵۔ حافظ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری ۳ : ۲۳۱

۶۔ قرآن حکیم ۴۹ : ۱۳

۷۔ قرآن حکیم ۸ : ۶۰

۸۔ ابوداؤد، جلد ۱، ص ۳۴۲، (باب فیمن یغزو و یلتمس الدنیا)

۹۔ محمد بن اسماعیل بخاری، کتاب الجہاد، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیاٗ
صحیح مسلم کتاب الامارۃ

۱۰۔ قرآن حکیم ۲ : ۱۹۳

۱۱ قرآن حکیم ۹ : ۱۱

۱۲۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، فعل کیف کان فرض عمر الاصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ص ۴۵

۱۳۔ ایضاً (صفحہ نمبر ۴۵)

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ (۲ : ۱۱۹)

۱۶- قرآن حکیم (۱۰ : ۲۷۴)

۱۷- قرآن حکیم (۵۹ : ۹)

۱۸- ابو یوسف کتاب الخراج فصل فی الفئی والخراج ص ۲۶

۱۹- ابو یوسف، کتاب الخراج ، فصل کیف فرض عمر لاصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۶

۲۰- ایضاً ص ۵۰

۲۱- ابو یوسف، کتاب الخراج فصل کیف فرض عمر ص ۴۶

۲۲- ابو یوسف کتاب الخراج ص ۴۷ (۲۳) ابو یوسف کتاب اللخراج ، ص ۴۷

۲۳- ابو یوسف کتاب اللخراج ، ص ۴۷

۲۴- ایضاً ص ۵۰

۲۵- ابو یوسف ایضاً ص ۵۰

۲۶- ابو یوسف کتاب الخراج ص ۵۰

۲۷- ابو یوسف کتاب الخراج ص ۱۹ باب فی قسمۃ الغنائم

۲۸- ابو یوسف کتاب الخراج ص ۲۵

۲۹- ابو یوسف کتاب الخراج ص ۲۵

۳۰- ایضاً ۲۶

۳۱- ایضاً

۳۲- اس سے شوریٰ میں خلیفہ المسلمین ، امیر المؤمنین کی حیثیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے
اس سے ظاہر ہے کہ شوریٰ کا کام محض مشورہ دینا نہیں شوریٰ میں خلیفہ المسلمین کی رائے
ایک فرد کی رائے ہے ۔ البتہ یہ امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ ایسے شخص کو سربراہ بنائے جو فہم و

فراست، عقل و دانش، اجتہاد و استنباط کی صفات سے پوری طرح مزین ہو اور اپنی اعلیٰ قابلیت، لیاقت، اور اہلیت سے شوریٰ کو اپنی رائے سے قائل کرے سب کے اتفاق رائے سے قانون بنائے۔

۲۳-

۲۴- ابویوسف کتاب الخراج ص ۲۷